Volume 02, Issue 03,
October-December 2024
PP: 115-130
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN
Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

مسیحی متون مقدسہ میں شرعی اختیارات: مسیحی نظریات اور رویوں کا تاریخی و تنقیدی جائزہ

Sharīʿ Authority in Christianity: A Historical and Critical Analysis of Christians Beliefs and Attitudes

Suleman Khalil [1] Arisha Nisar [2] Arham Muneer [3]

Article History

Received
15-11-2024

Accepted
25-11-2024

Published
01-12-2024

Abstract & Indexing

Abstract

Authority has been a pervasive and enduring concept throughout the history of religions, manifesting in various forms such as traditional, scriptural, ecclesiastical, and imperial authority. Rooted in religious claims, authority serves as the legitimate power to command obedience and maintain societal order. This phenomenon is evident in both primitive and ancient religions as well as more established religious traditions, particularly during periods where social cohesion is crucial. Religious authority has historically been upheld by key figures such as kings, founders, and spiritual leaders, alongside sacred texts and doctrinal teachings preserved through oral or written traditions. Religious communities, with their structured rituals and priesthoods, and personal spiritual experiences also contribute to this dynamic. However, disputes over the legitimacy of these sources often lead to internal tensions and conflicts between religious groups, highlighting the centrality of authority in religious discourse.

This article offers a critical analysis of the concept of authority, with a particular focus on Sharīʿ authority within Islamic tradition, Christian doctrinal frameworks, and interpretations of authority in Christian sacred texts. By exploring these dimensions, the study aims to illuminate the ways in which religious authority is established, contested, and sustained across different historical and theological contexts.

Keywords

Religious Authority, Sharīʿ Authority, Christian Doctrines, Sacred Texts, Ecclesiastical Authority, Societal Order, Religious Leadership, Doctrinal Beliefs, Conflict and Legitimacy, Comparative Theology.

[1] ***Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies, Government College University, Faisalabad***
sulemankhalil@gmail.com
[2] ***MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad***
iamarishanisar@gmail.com
[3] ***MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad***
ararham23333@gmail.com

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development

OPEN ACCESS

تمہید

مسیحیت ایک الہامی مذہب ہے جو حضرت مسیحؑ کی زندگی اور تعلیمات پر مبنی ہے۔ اس مذہب کا آغاز پہلی صدی عیسوی میں ایک چھوٹی یہودی جماعت کی صورت میں ہوا، اور جلد ہی یہ مشرق وسطیٰ اور رومی سلطنت کے علاقوں، خاص طور پر شمالی افریقہ میں پھیل گیا۔ آرمینیا پہلا ملک تھا جس نے 301ء میں مسیحیت کو سرکاری مذہب تسلیم کیا، اس کے بعد 319ء میں جارجیا اور 325ء میں ایتھوپیا نے اسے اپنایا۔ آخر کار، 380ء تک رومی سلطنت نے بھی مسیحیت کو سرکاری مذہب قرار دے دیا۔ آج اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد تقریباً 2.2 بلین ہے، جو دنیا کی آبادی کا تقریباً ایک تہائی حصہ بنتی ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (Encyclopaedia Britannica) کے مطابق، مسیحیت وہ مذہب ہے جو یسوع ناصری سے شروع ہوا، یسوع کی تعلیمات پہ قائم ہوا اور یسوع کو خدا کا منتخب کردہ (مسیح) تسلیم کرتا ہے۔[1]

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (Encyclopaedia of Religion and Ethics) کے مطابق، مسیحیت کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ یہ ایک ایسا مذہب ہے جو اخلاقیات، تاریخ، کائنات، توحید اور کفارے پر یقین رکھتا ہے، اور جس میں خدا اور انسان کے رشتے کو یسوع مسیح کی ذات اور کردار کے ذریعے مضبوط بنایا گیا ہے۔[2]

مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ، خدا کی ذات میں تین اقانیم کی موجودگی کو صفات کے مقام پر دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ اقانیم جوہر اور ازلی قدرت میں برابر ہیں اور ذات وصفات میں متحد ہیں، تاہم اپنے افعال میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔[3]

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (Encyclopaedia Britannica) میں تثلیث کی وضاحت ایسے کی گئی ہے کہ، باپ خدا ہے، بیٹا اور روح القدس بھی خدا ہے۔ تاہم، یہ تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی خدا کی وحدت کو ظاہر کرتے ہیں۔[4]

مسیحی عقیدے میں باپ سے مراد خدا کی واحد ذات ہے، جبکہ بیٹے سے خدا کی صفتِ کلام مراد لی جاتی ہے۔ انجیل یوحنا میں لکھا ہے کہ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔[5]

مسیحی متون مقدسہ

بائبل مسیحیت میں الہامی کتابوں کا مجموعہ ہے۔ مسیحی ان کتابوں کے تقسیم دو طرح سے کرتے ہیں، ایک وہ کتابیں جو حضرت مسیحؑ سے پہلے انبیاء کے واسطے ان تک پہنچی ہیں اور دوسری وہ کتابیں جو حضرت مسیحؑ کے بعد ان کے پیروکاروں اور شاگردوں نے الہام کے ذریعے تحریر کی ہیں۔ پہلی قسم کی کتابوں کو عہد نامہ قدیم (Old Testament) اور دوسری قسم کی کتابوں کو عہد نامہ جدید (New Testament) کہتے ہیں اور ان دونوں کا مجموعہ کتاب مقدس یا بائبل مقدس کہلاتا ہے۔ بائبل کی یہ کتب دو طرح سے منقسم ہیں ایک وہ قسم جس پر بائبل کے علماء کا اتفاق ہے اور دوسری وہ قسم جس کے بارے میں ان میں باہمی اختلاف ہے۔ نیز یہودی بائبل اور مسیحی عہد نامہ قدیم کی ترتیب میں بھی اختلاف ہے۔[6]

عہد نامہ قدیم کی پہلی قسم میں 38 کتابیں ہیں، جن میں کتاب پیدائش، کتاب خروج، کتاب احبار، کتاب گنتی، کتاب استثناء[7]، کتاب یوشع، کتاب قضاۃ، کتاب روت، کتاب سموئیل اول اور دوئم، کتاب سلاطین اول اور دوئم، کتاب تواریخ اول اور دوئم، عزراء کی کتاب، نحمیاہ کی کتاب، کتاب ایوب، کتاب زبور، کتاب امثال، واعظ کی کتاب، غزل الغزلات، کتاب یسعیاہ، کتاب یرمیاہ، کتاب نوحہ، حزقی ایل کی کتاب، دانی ایل کی کتاب، کتاب ہوسیع، کتاب یوایل، عاموس کی کتاب، کتاب عبدیاہ، یوناہ کی کتاب، کتاب میکاہ، ناحوم کی کتاب، کتاب حبقوق، کتاب صفنیاہ، کتاب حجی، زکریا کی کتاب اور کتاب ملاکی شامل ہے۔ یہ تمام کتابیں جمہور مسیحی علماء کے نزدیک مستند اور فہرست مسلمہ میں شامل ہیں۔

عہد نامہ قدیم کی دوسری قسم میں 9 کتابیں ہیں اور ان کی صحت میں اختلاف ہے۔ جس میں آستر، باروک، طوبیا، یہودیت، سلیمان کی حکمت، مواعظ یا سیراخ، مکابین اول اور دوئم، اس کے علاوہ تین بچوں کا گیت، بعل، اژدھا اور منسی کی دعا ہے۔ یہ چودہ کتب کا مجموعہ اپاکریفا کہلاتا ہے اور پروٹسٹنٹ فرقہ انہیں جعلی قرار دیتا ہے۔

عہد نامہ جدید میں مجموعی طور پر 27 کتابیں شامل ہیں۔ ان میں انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، اور انجیل یوحنا[8] شامل ہیں۔ مزید برآں، رسولوں کے اعمال، رومیوں کے نام خط، پہلا اور دوسرا کرنتھیوں کے نام عام خطوط، گلتیوں کے نام خط، افسیوں کے نام خط، فلپیوں کے نام خط، کلسیوں کے نام خط، پہلا اور دوسرا تھسلنیکیوں کے نام خطوط، تیمتھیس کے نام پہلا اور دوسرا خط، ططس کے نام خط، فلیمون کے نام خط، عبرانیوں کے نام خط، یعقوب کا عام خط، پطرس کا پہلا اور دوسرا عام خط، یوحنا کے تین عام خطوط، یہوداہ کا عام خط، اور یوحنا عارف کا مکاشفہ شامل ہیں۔[9]

مسیحی عقیدہ کے مطابق بائبل مقدس کے تحریری شکل میں آنے سے پہلے لوگ خدا اور اس کے بندوں کے احوال اور ان بندوں کے خدا کے ساتھ تعلق کو کہانیوں کی صورت میں بیان کرتے تھے اس سلسلے کو مسیحی زبانی روایت کہتے ہیں۔ ہر آنے والی نئی نسل کو یہ واقعات سنانے کا سلسلہ کئی صدیوں تک جاری رہا۔[10]

مسیحی متون مقدسہ میں شرعی اختیارات

مسیحی متون مقدسہ کے حوالے سے مذہبی اختیارات کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

خداوند اپنی قدرت کا اظہار انسان کی شکل میں کرتا ہے:

بائبل مقدس میں ہے کہ، پہلے زمانے میں خدا نے مختلف اوقات اور مختلف طریقوں سے نبیوں کے ذریعے ہمارے باپ دادا سے بات کی، لیکن اب آخری زمانے میں اس نے ہم سے اپنے بیٹے کے ذریعے بات کی، جسے اس نے تمام چیزوں کا وارث بنایا اور جس کے وسیلے سے اس نے کائنات کی تخلیق بھی کی۔[11] خدا نے اپنی ساری قدرت اپنے بیٹے کو سونپ دی۔ یسوع نے ان کے پاس آ کر کہا، مجھے آسمان اور زمین پر مکمل اختیار دیا گیا ہے۔ یوں خدا نے تمام چیزیں مسیح کے اختیار میں کر دی ہیں اور اسے سب چیزوں کا سربراہ بنا کر کلیسا کو سونپا۔ کلیسا اس کا جسم ہے، اور وہی اسے مکمل کرتا ہے۔ وہی ہے جو ہر چیز کو بھرپور طریقے سے مکمل کرتا ہے۔[12]

مسیح وہی نبی ہیں جن کے بارے میں موسیٰؑ نے پیشین گوئی کی تھی کہ وہ ان کی مانند ہوں گے:

موسیٰؑ نے کہا تھا کہ خداوند، تمہارا خدا، تمہارے لیے تمہارے درمیان سے یعنی تمہارے بھائیوں میں سے، میری طرح کا ایک نبی مبعوث کرے گا۔ تمہیں اس کی باتوں پر دھیان دینا ہو گا۔[13]

مسیح نے بارہا اس حقیقت کو آشکار کیا کہ انہیں خدا نے اس دنیا میں بھیجا ہے:

انجیل یوحنا میں ہے کہ، میں اپنی گواہی خود نہیں دیتا بلکہ میرا دوسرا گواہ میرا آسمانی باپ ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ اگر میں فیصلہ بھی کروں تو وہ درست ہو گا کیونکہ میں اکیلا نہیں ہوں، بلکہ میرے ساتھ وہ باپ بھی ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ میرے پاس تمہارے بارے میں کہنے اور فیصلہ کرنے کے لیے بہت کچھ ہے، لیکن میرا بھیجنے والا سچا ہے اور جو کچھ میں نے اس سے سنا ہے، وہی میں دنیا کو بتاتا ہوں۔ اور یہ بھی کہ جس نے مجھے بھیجا ہے وہ میرے ساتھ ہے، اس نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا کیونکہ میں ہمیشہ وہی کرتا ہوں جو اسے پسند ہے۔ یسوع نے مزید کہا، اگر خدا تمہارا باپ ہوتا تو تم مجھ سے محبت کرتے، کیونکہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں اور اب یہاں موجود ہوں۔ میں اپنی مرضی سے نہیں آیا بلکہ اس نے مجھے بھیجا ہے۔[14]

پھر یسوع نے اعلان کیا، جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ نہ صرف مجھ پر بلکہ میرے بھیجنے والے پر بھی ایمان لاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا، میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ آسمانی باپ جس نے مجھے بھیجا ہے، اس نے ہی مجھے کہنے اور بولنے کا حکم دیا ہے۔ فسح کی عید سے پہلے یسوع نے یہ جان لیا کہ ان کے دنیا سے رخصت ہونے اور باپ کے پاس واپس جانے کا وقت قریب ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں سے جو دنیا میں تھے، محبت کرتے تھے اور ان کی محبت آخر تک قائم رہی۔ جب وہ لوگ شام کا کھانا کھا رہے تھے، شیطان نے شمعون کے بیٹے یہوداہ اسکریوتی کے دل میں یسوع کو گرفتار کروا دینے کا ارادہ ڈال دیا تھا۔ یسوع کو یہ بھی علم تھا کہ باپ نے تمام چیزیں ان کے سپرد کر دی ہیں اور یہ کہ وہ خدا کی طرف سے آئے ہیں اور خدا کی جانب واپس جا رہے ہیں۔[15]

حواریوں نے یسوع کی الوہیت کو شدّ ومد کے ساتھ بیان کیا:

کتاب اعمال میں ہے کہ، لہٰذا اسرائیل کے تمام لوگوں کو یہ جاننا چاہیے کہ خدا نے اسی یسوع کو جسے تم نے صلیب پر چڑھایا، خداوند اور مسیح مقرر کیا ہے۔ خدا نے اپنے چنے ہوئے خادم کو پہلے تمہارے پاس بھیجا تاکہ تمہیں یہ برکت حاصل ہو کہ تم اپنی بدکاریوں سے باز آؤ۔ خدا نے بنی اسرائیل کو اپنا پیغام یسوع مسیح کے ذریعے بھیجا، جو سب کا خداوند ہے اور صلح کی خوشخبری سنائی۔[16]

نیز خدا نے ہر چیز مسیح کے اختیار میں دے دی اور اسے تمام اشیاء کا سردار بنا کر کلیسا کو بخشا۔ کلیسا اس کا جسم ہے اور اسی سے مکمل ہوتا ہے۔ ہر چیز کو پوری طرح مکمل کرنے والا بھی وہی ہے۔[17] چونکہ مسیح خدا کا واحد ترجمان ہے اور وہ مکمل اختیار رکھتا ہے، تمام تعلیمات یسوع کی ہوں گی بشرطیکہ وہ حقیقی اختیار کی بنیاد پر ہوں۔ جو کوئی مسیح کی تعلیم سے آگے بڑھتا ہے اور اس پر قائم نہیں رہتا، وہ خدا کی رفاقت سے محروم ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص اس کی تعلیم پر قائم رہتا ہے، اس کے پاس باپ اور بیٹا دونوں ہیں۔ اگر کوئی تمہارے پاس آئے اور اس تعلیم کو نہ مانے، تو اسے گھر میں داخل نہ ہونے دو اور نہ ہی اسے سلام کرو، کیونکہ ایسے شخص کا خیر مقدم کرنے والا اس کے بُرے کاموں میں شریک ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایسی تعلیم دے جو ہمارے خداوند یسوع مسیح کی درست باتوں اور دینداری کی تعلیم کے خلاف ہو، تو وہ تکبر سے بھرپور ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ وہ بے مقصد بحث اور جھگڑوں کا شوقین ہوتا ہے، جن سے حسد، لڑائی، بدگوئی اور بدزبانی جنم لیتی ہے۔ ایسے لوگ جن کی عقل بگڑ گئی ہے، سچائی سے دور ہو چکے ہیں اور دینداری کو نفع کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔[18]

یسوع نے اپنے حواریوں کو پاک روح کی رہنمائی میں اپنے اختیارات کے استعمال کی اجازت دی:

یسوع نے کہ، جو وعدہ میرے باپ نے کیا ہے، میں وہ تم پر بھیجوں گا۔ تاہم، تم یروشلم میں ہی ٹھہرے رہو جب تک کہ تمہیں آسمان سے طاقت نہ مل جائے۔ مزید برآں، یسوع نے فرمایا، جب پاک روح تم پر نازل ہو گا، تو تم قوت حاصل کرو گے اور یروشلم، تمام یہودیہ، سامریہ، اور حتیٰ کہ زمین کی انتہاؤں تک میرے گواہ بنو گے۔[19]

مسیح تبعین کے اختیارات:

کرنتھیوں کے نام دوسرے خط میں پولس لکھتا ہے کہ، خدا نے مجھے اختیار عطا کیا ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ میں اسے تمہاری بہتری اور تعمیر کے لیے استعمال کروں، نہ کہ نقصان پہنچانے کے لیے۔ اگر میں اپنے اس اختیار پر کچھ زیادہ فخر کروں تو اس میں شرمندگی کی کوئی بات نہیں۔ اسی لیے میں یہ خط تمہیں اپنی غیر موجودگی میں لکھ رہا ہوں تاکہ جب میں تمہارے پاس آؤں، تو مجھے سختی سے پیش نہ آنا پڑے۔ میں چاہتا ہوں کہ خداوند کے دیے ہوئے اس اختیار کو تمہاری اصلاح اور بہتری کے لیے ہی استعمال کروں، نہ کہ کسی نقصان کے لیے۔[20]

یسوع کے وعدے کے مطابق، پاک روح نے حواریوں کو اپنی قدرت اور اختیار سے نوازا:

انجیل یوحنا میں ہے کہ، مدد گار، یعنی پاک روح جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہ تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور وہ سب کچھ یاد دلائے گا جو میں نے تمہیں بتایا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میرا یہاں سے جانا تمہارے حق میں بہتر ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مدد گار تمہارے پاس نہیں آئے گا، لیکن اگر میں جاؤں تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ جب وہ مدد گار آئے گا تو دنیا کو گناہ، راستبازی اور عدالت کے بارے میں قائل کرے گا۔ گناہ اس لئے کہ لوگ مجھ پر ایمان نہیں لاتے، راستبازی اس لئے کہ میں باپ کے پاس جارہا ہوں اور تم مجھے دوبارہ نہ دیکھو گے اور عدالت اس لئے کہ دنیا کا حاکم مجرم ٹھہرایا جا چکا ہے۔ میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے اور بھی بہت سی باتیں ہیں، لیکن اس وقت تم اُنہیں برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر جب روحِ حق آئے گا تو وہ تمہیں تمام سچائی کی طرف لے جائے گا، کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا، بلکہ وہی بتائے گا جو وہ سُنے گا اور آئندہ کی باتوں کی خبر دے گا۔[21]

مسیحیوں کا شرعی اختیارات کے بارے میں رویہ: تاریخی و تنقیدی جائزہ

مسیحیت کے آغاز سے پہلے یونانی، رومی اور آتش پرست تہذیبوں کا غلبہ تھا اور اصنام پرستی ان تہذیبوں کا جزولاینفک رہی ہے۔ مسیحیت نے اپنی تعلیمات میں جب نظر نہ آنے والے آسمانی باپ اور قابل پرستش ہستیوں جو کہ حواس کی زد سے باہر ہیں کا تذکرہ شروع کیا تو ماننے والوں کے لئے تفہیم کی مشکلات درپیش ہوئیں۔ اس پریشانی سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسیحیت نے آہستہ آہستہ آسمانی بادشاہت کو زمین پر چلنے پھرنے والے پادری کے ساتھ منسلک کرنا شروع کر دیا۔ اس عمل نے بعد میں تجسیم کے عقیدہ کو تعلیمات کا لازمی حصہ بنادیا کیوں کہ تجسیم کے عقیدے کی ترویج سے ایک مسیحی پادری یونانی اور رومی صنم پرستی کی فضا میں پروان چڑھنے والے دماغ کو یہ یقین دلا سکتا تھا کہ مسیحیت اس کی جبلی اور فطری آرزوؤں کو کچلنے کا عمل انجام نہیں دے رہی کیوں کہ تجسیم کی شکل میں نظر نہ آنے والی الوہی طاقت کو خاکی پیکر میں ڈھال دیا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ انسانی فطرت میں موجود شر اور بدی کی طرف میلان نے ان مذہبی راہنماؤں کے دلوں پر بھی زنگ لگانا شروع کر دیا۔ اقتدار اور ہوس زر نے جب اپنا رنگ دکھایا تو نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی پیشواؤں کی زندگی کا واحد مقصد دنیاوی مال و متاع اور جاہ و جلال کا حصول بن گیا تھا۔ مذہبی عہدہ داروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو اپنی خلوت و جلوت میں ایماندار ہو اور بغیر کوئی گواہ پیش کیے پاک بازی و پارسائی کا دعویٰ کر سکے۔

مسیحیت میں شرعی اختیارات کے حصول کے لیے مسیحی مذہبی پیشواؤں نے درج ذیل عہد نامہ جدید کی آیات کا سہارا لیا۔

”یسوع نے شمعون کی طرف دیکھ کر کہا، تم شمعون بن یوناہو، لیکن تمہارا نام کیفا ہو گا۔“[22]

”میں تم سے کہتا ہوں کہ تم کیفا ہو اور تمہاری بنیاد پر میں اپنی کلیسیا تعمیر کروں گا۔“[23]

”اگر کوئی شخص ان باتوں پر توجہ نہ دے، تو کلیسیا کو بتاؤ، اور اگر وہ کلیسیا کی بات بھی نہ مانے، تو اُسے غیر اور محصل کی مانند جانو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھ تم زمین پر باندھو گے وہ آسمان پر بھی بندھا رہے گا، اور جو کچھ زمین پر کھولو گے، وہ آسمان پر بھی کھلا رہے گا۔ اگر تم میں سے دو زمین پر کسی بات پر متفق ہوں اور دعا کریں، تو آسمان پر موجود میرے باپ سے وہ عطا کی جائے گی۔“[24]

”جو تمہاری بات مانتا ہے وہ میری بات مانتا ہے، اور جو تمہیں نظر انداز کرتا ہے وہ مجھے نظر انداز کرتا ہے، اور جو مجھے نظر انداز کرتا ہے، وہ اُسے بھی نظر انداز کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔“[25]

”جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے، اسی طرح میں تمہیں بھیج رہا ہوں۔“[26]

”آدمی ہمیں ایسا سمجھے جیسے مسیح کے خادم اور خدا کے بھیدوں کے مختار۔“[27]

"اس لیے ہم مسیح کے نمائندے ہیں، گویا خدا ہمارے ذریعے تم سے بات کر رہا ہے۔ ہم مسیح کی جانب سے تم سے درخواست کرتے ہیں کہ تم خدا کے ساتھ صلح کر لو۔"[28]

"تم اپنے پیشواؤں کے فرمانبردار اور تابع رہو۔"[29]

"ہم خدا سے ہیں۔ جو خدا کی پہچان رکھتا ہے، وہ ہماری بات سنتا ہے، اور جو خدا سے نہیں، وہ ہماری نہیں سنتا۔ اسی سے ہم سچائی کی روح اور گمراہی کی روح میں فرق کر سکتے ہیں۔"[30]

"جن کے گناہ تم معاف کرو گے، وہ معاف ہوں گے، اور جن کے گناہ تم برقرار رکھو گے، وہ برقرار رہیں گے۔"[31]

کیتھولک عقیدے کے مطابق پطرس کو یسوع مسیح کا جانشین مانا جاتا ہے کیونکہ مسیح نے پطرس کو کلیسیائی نظام کی بنیاد قرار دیا تھا۔ اس بنا پر پوپ کو پطرس کا براہ راست جانشین تصور کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے روم کا پوپ محض ایک مذہبی پیشوا نہیں بلکہ سب سے اعلیٰ اور مقدس مذہبی رہنما کے درجے پر فائز ہے۔

مسیحی مذہبی پیشواؤں کا مذہبی اختیارات پر تصرف پطرس اور مسیح کی تعلیمات پر مبنی نہیں بلکہ روما کے ایک بشپ کے ذہن کی پیداوار ہے۔ تواریخ کلیسیا من حیث الابتداء کے مؤلف کے بقول اگناشش کو عموماً پہلا مسیحی مصنف قرار دیا گیا ہے جس نے بشپ کے عہدے کو اس کے واقعی درجہ سے بہت بڑھا دیا۔ کلیسیائی عہدے داروں کی اطاعت و فرماں برداری سے متعلق وہ لکھتا ہے:

"تم سب بشپ کا حکم مانو جس طرح مسیح نے باپ کا حکم مانا اور قسیسیوں کا جس طرح تم حواریوں کا حکم مانتے ہو اور دیاقونوں کا مثل احکامات الٰہی کے، بغیر بشپ کے کبھی کوئی شخص کوئی مذہبی کام نہ کرے بغیر بشپ کے نہ اصطباغ جائز ہے اور نہ دعوت محبت مگر جو کچھ بشپ پسند کرے خدا کا بھی پسند ٹھہرے گا جو بشپ کی عزت کرتا ہے اسے خدا بھی عزت دیتا ہے جو بشپ سے چھپا کر کام کرتا ہے وہ شیطان کی بندگی میں ہے بشپ کی فرماں برداری کرو یہی خدا کی فرماں برداری کا وسیلہ ہے۔"[32]

یوں پوپ کا حکم حکم خداوندی جاننے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے پھر پوپ اور کارڈینل چھوڑ پادری تک کے حکم کو مثل احکامات خداوندی کی نوید سنائی گئی۔ اس بات سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ خطاء کے پہلے انسان کے لئے اتنے عظیم الشان اختیارات خود ساختہ ہی ہو سکتے ہیں کسی بھی الہامی مذہب کی سچی تعلیمات سے قطعا میل نہیں کھاتے۔

تواریخ کلیسیا من حیث الابتدا کے مؤلف کے مطابق کوپریان نے جو کہ ایک افریقی بت پرست تھا مسیحی مذہب اختیار کرنے کے بعد 248ء میں کرتاگو کا بشپ مقرر ہوا اپنے خطوط میں تحریر کرتا ہے کہ بشپ کلیسیا میں ہے اور کلیسیا بشپ میں جو کوئی بشپ کے ساتھ نہیں ہے کلیسیا کے ساتھ بھی نہیں وہ بشپ کو خدا کا قائم مقام مانتا ہے اور کہتا ہے جو بشپ کا مقابلہ کرتا ہے وہ اس قدر بشپ پر فتوی نہیں لگاتا جتنا خود خدا پر فتوی لگا رہا ہے۔[33]

مسیحی مذہبی پیشواؤں شرعی اختیارات میں اپنے مفادات کے حصول کے لیے کتاب مقدس میں انسانی عنصر کو بے دریغ شامل کیا۔ پیٹر من سمانتھ کا کہنا ہے کہ بائبل میں انسانی عنصر کی موجودگی پر زور دینا بہت اہم ہے۔ یہ حقیقت اکثر مذہبی افراد نظر انداز کرتے رہے ہیں، اور یہی بے اعتنائی بڑی حد تک موجودہ اضطراب کی وجوہات میں شامل ہے۔ گذشتہ صدی کے دوران بائبل کے مطالعے سے یہ بات مزید نمایاں ہوئی ہے کہ انسانی عنصر اس میں لوگوں کے اندازے سے کہیں زیادہ موجود ہے، اور اس کے مصنفین کو اپنے خیالات پیش کرنے کی کافی آزادی حاصل رہی ہے۔[34]

اسی بات کو ڈاکٹر اسلم ضیائی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دیگر کتب انسانی ہیں یا الٰہی مگر بائبل بیک وقت الٰہی اور انسانی ہے۔ یہ خدا کی کتاب ہے کیونکہ اس کا انکشاف، مکاشفہ، آغاز اور بنیاد خدا کی طرف سے ہے اور یہ انسانی بھی ہے کیونکہ اس الٰہی مکاشفہ کو روح القدس کی تحریک اور الہام سے انسانی لکھاریوں نے اپنے اپنے اسلوب اور انداز میں لکھا۔[35]

گویا مذہبی پیشواؤں نے اپنی پسند کے مطالب و مفاہیم کتاب مقدس سے بر آمد کرنے کے لیے بائبل مقدس کو اپنی مشق کا نشانہ بنائے رکھا۔ بائبل کی من چاہی تشریح کے بعد انسانی فطرت کی ضرورت کو بہم تسکین پہنچانے کے لئے بعد کے سالوں میں مسیحیت نے اصنام پرستی کو ایک اور قالب میں ڈھالتے ہوئے اپنے گرجاگھروں میں یسوع مسیح علیہ السلام کے بلند قامت مجسموں اور تصویروں کی تنصیب و نمائش کا بھی آغاز کر دیا۔ ان تصاویر میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس فرشتہ جبریل کا پیغام لے کر آنا، حضرت مسیح علیہ السلام کو پیدائش کے بعد چرنی میں لیٹا دکھانا، مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کا عمل اور اس طرح کے دیگر مناظر شامل ہیں۔

مسیحیت میں مذہبی اختیارات میں اجارہ داری کے لیے بشپ اور پریسبیٹر (Presbyter) ان دونوں عہدوں نے بنیاد کا کام کیا۔ اس دور میں جو سب سے نیک اور تجربہ کار شخص ہوتا اسے پریسبیٹر (Presbyter) مقرر کر دیا جاتا اور بشپ (Bishop) کا خطاب اس مفہوم کا حامل تھا کہ اسے دوسرے اداروں کے معائنے کا اختیار حاصل ہے اور اس طرح بشپ (Bishop) کا عہدہ پریمیٹر (Presbyter) کے عاجزانہ عہدے پر غلبہ حاصل کرتا رہا۔ ابتدائی طور پر ان عہدوں کا دائرہ اختیار بہت محدود تھا اور صرف روحانی امور تک ہی ان کے فرائض کا تعین کیا گیا تھا اور بعض صورتوں میں ان کی نوعیت دنیاوی بھی تھی۔ ان کا زیادہ تر تعلق گرجا کے متعلق نظم وضبط، معاملات اور اختلافات سے تھا۔ یہ ادارہ مذہبی تقریبات کا اہتمام کرتا اس طرح آہستہ آہستہ اس کے زیر انتظام متعدد امور آنے لگے جس میں گرجوں کے پادریوں کی تعیناتی بھی شامل ہو گئی۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے جو رقم یہ عوام سے جمع کرتے اس کی آمد و خرچ پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا یہ متنازعہ امور پر فیصلے کرنے لگے جنہیں مسیحی مشرک عدالتوں میں پیش کرنا مناسب نہ سمجھتے۔

حضرت عیسی کے حواریوں کی وفات کے ایک سو سال بعد تک مسیحیت انہی عہدوں پر تکیہ کر کے اپنا کام چلاتی رہی اور سلطنت کے ہر حصہ میں موجود مسیحیوں نے اپنے اپنے علاقوں میں انہی عہدوں پر مشتمل اپنی مجالس اور نمائندہ جماعتیں قائم کر لیں اگرچہ یہ ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھیں لیکن یہ باہمی روابط اور خط وکتابت جاری رکھتے لیکن ابھی تک مسیحی دنیا نے کوئی مشترکہ قانون ساز مجلس یا اعلی مقتدر ادارہ قائم نہیں کیا تھا اور مسیحیت کے پھیلنے سے اس دور کے مسیحی بزرگوں کو یہ احساس ہوا کہ مشترکہ مفاد اور منصوبہ بندی کے اشتراک کے لیے انھیں ایک ادارے کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مشہور مؤرخ ایڈورڈ گبن کے خیال میں اس وقت کے ذمہ داران کے مشورے پر دوسری صدی عیسوی کے آخری سالوں میں یونانی اور ایشیائی کلیسیا نے مفید صوبائی مجالس قائم کر لیں اس رواج کو جلد ہی قانونی حیثیت دے دی گئی تاکہ آزاد کلیساؤں کے بشپ صوبائی دارالحکومتوں میں جمع ہوں اور موسم بہار اور موسم خزاں کے اجلاسوں کے لیے ایام طے کر لیں۔ یہ فیصلے سامعین کے ایک بڑے اجتماع میں کیے گئے ان کے فیصلوں کو قانونی حیثیت حاصل تھی۔ انھوں نے تمام ہم عصر معاملات اور نظم وضبط کے اصولوں کو باقاعدہ بنایا۔ یہ امر فطری تھا کہ مسیحیوں کے اس اجتماع پر روح القدس کا سایہ تسلیم کر لیا جائے۔ تاکہ معاملات کو طے کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔[36]

بہر حال یہ نظام اتنا موزوں سمجھا گیا کہ چند سالوں کے اندر اندر یہ تمام سلطنت میں پھیل گیا۔ تمام صوبائی کونسلوں کے مابین باقاعدہ خط وکتابت کا سلسلہ قائم ہو گیا وہ تمام فیصلوں سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے اور ان کی توثیق کرتے۔ اس کے نتیجے میں کیتھولک کلیسیا کا نظام قائم ہو گیا اور اس نے اتنی طاقت حاصل کر لی کہ تمام سلطنت میں اس کی حیثیت مستحکم ہو گئی۔ جب کیتھولک کلیسیا قائم ہو گیا تو بشپوں کی کونسلوں نے

قانون سازی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے اور اپنے قانونی اور انتظامی اختیارات میں مزید توسیع حاصل کرلی اور انہیں اس اجارہ داری پر عوام اور مذہب دونوں کی تائید حاصل کرنے میں دشواری کا سامنانہ کرنا پڑا کیوں کہ ایک نیا مذہب اس وقت اپنی بقاء کی جنگ سے نبرد آزما ہونے کے بعد تیزی سے اشاعت پذیر تھا اس مناسب ماحول میں کلیسیا کے حاکمان نے مشورے کی زبان کو احکام کی زبان سے بدل دیا اور مستقبل کے محتسب کے بیج بو دیتے اور اپنی تائید میں انجیل کے معانی میں تحویل و تحریف اور تمثیلات کے معانی پہنانے کا آغاز کر دیا۔ ہر بشپ کو وہ اختیارات تفویض ہو گئے جو بلا شرکت غیرے استعمال کیے جاتے اور بادشاہ اور حاکمان اعلی سے بتکرار یہ مطالبہ کیا جاتا کہ اس عالم ناپائیدار میں حکومت کا حق ان کے لیے مخصوص ہے اور مذہب کے وسیلے سے صرف کلیسیا ہی تمام اختیارات واقتدار کا مستحق ہے۔ یہ اختیارات نہ صرف اس دنیا سے مخصوص ہیں بلکہ دوسری دنیا کے معاملات پر بھی حادی ہیں۔ اس بابت ایڈورڈ گبن لکھتا ہے۔

> "The bishops were considered the representatives of Christ, successors to the apostles, and symbolic replacements for the high priests of Mosaic Law. Their unique authority to bestow the priestly character disrupted the independence of both clerical and public elections. Even when consulting the opinions of presbyters or the preferences of the congregation, they emphasized the value of their voluntary compliance in church governance." [37]

> "بشپ حضرت عیسیٰ کے نائب ہیں اور حواریوں کے جانشین ہیں اور حضرت موسی کے قانون کے مطابق درجہ اول کے مبلغ شمار ہوتے ہیں۔ چوں کہ انھیں قوانین جاری کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے اس لیے وہ منتخب اور موروثی حاکمان سلطنت سے بھی بالاتر ہیں۔ اس طرح انھیں کلیسیا اور دنیاوی حکومتوں دونوں سے آزادی حاصل تھی اور انہیں اپنے احکام یا قانون سازی کے لیے عوام کی منظوری کی بھی حاجت نہ تھی۔"

جیسے جیسے کلیسیا منظم ہو رہا تھا اسی طرح مسیحیت میں شرعی اختیارات کے تصرف میں مذہبی پیشوائیت اپنی جڑیں مضبوط کر رہی تھی۔

مسیحیت کے آغاز میں مذہبی اور ریاستی عہدے الگ الگ تھے جس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس وقت حکمران طبقہ مسیحیوں کو کوئی حیثیت دینے کے لئے تیار نہ تھا بلکہ انہیں تشدد و اذیت رسانی کے ذریعے دبانے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ مگر جیسے ہی قسطنطین کے عہد میں مسیحیت کو ریاستی پناہ ملی تو آہستہ آہستہ مسیحی پیشواؤں نے اپنی بالا دستی قائم کرنا شروع کر دی۔ معروف فرانسیسی مؤرخ لیوپولڈ وان رینکی کی رائے میں مسیحیت کی اشاعت کے ساتھ ساتھ مذہب سیاسی قید و بند اور سیاسی عناصر کی مداخلت سے پاک ہوتا گیا اور نتیجتاً ایک ممیز و ممتاز مذہبی ڈھانچہ وجود میں آیا جو اپنا آئین خود متعین کرتا تھا۔[38]

کلیسیا اب شہنشاہوں کی امان سے نکل کر خود مختار ہونے لگا۔ اور اپنے دل میں موجود قوت واختیار حاصل کرنے کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی کوششوں میں مگن ہو گیا۔ پاپائیت کا آغاز روم کے وقار اور شہرت سے ہوا۔ کیوں کہ جب مشرق کی کلیسیائیں کمزور ہو کر روم کا منہ تکنے لگیں تو روما کا اقتدار لازماً بڑھ گیا۔

پادری خورشید عالم کی رائے میں کلیسیائے روما نے دعوی کیا کہ روم تمام دنیا کا دار السلطنت ہے اور مقدس پطرس خلیفہ المسیح اس کا بانی ہے اور اس لیے کلیسیائے روم صحیح تعلیم وعقائد پر قائم اور بدعت سے مبرا ہے اسی وجہ سے روما دار الامان اور ام الکلیسیا ہے اور دنیوی شاہ سے خلیفہ المسیح پاپائے روم اعلیٰ و بالا ہے۔ مندرجہ بالا دعاوی سے لوگوں میں یہ نظریہ پہنچنے لگا کہ روم کے کلیسیا کے بشپ عام اور معمولی قسم کے انسان ہرگز نہیں ہیں اور انہیں لامحدود اور لامتناہی اختیارات حاصل ہیں۔[39]

ان کے خاص ہونے کی واحد وجہ ان کے شاہ روم کی قربت میں رہنے اور دار الخلافہ سے تعلق کے علاوہ اور کیا ہو سکتی تھی؟ لیکن ابتدائی مسیحیت کے عمومی مزاج کی وجہ سے بلاوجہ یہ سمجھ لیا گیا کہ وہ غیر معمولی حکمت و دانائی کے حامل ہوتے تھے۔

رومن کیتھولک چرچ جو مسیحیت کے آغاز کا منبع تصور کیا جاتا ہے اس کے پادری شروع شروع میں سادہ زندگی گزارنے اور جسمانی مشقت میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ سکوں کی جھنکار اور سونے کی روپہلی چمک نے پادری کے دل کو مائل کرنا شروع کر دیا وہ برابری کے درجہ سے بڑھ کر حاکم کے درجہ پر فائز ہو گیا اور گم شدہ بھیڑ ہیں، اس کے لئے ان غلاموں کی حیثیت اختیار کر گئیں جن کی زبان سے لے کر روح تک سبھی کچھ پادری کے پاس رہن تھا۔

عالم مسیحیت میں اختیارات کے حصول کی طلب مسیحیت کے سرکاری مذہب بننے کے اولین ایام سے ہی پیدا ہونی شروع ہو چکی تھی جب آسمانی بادشاہت کو زمینی بادشاہت سے ہم آہنگ کرنے کی کوششوں کا آغاز ہوا جس کے پس منظر میں یہ نظریہ کار فرما تھا کہ جب آسمان پر خداوند کی حکومت ہے تو زمین پر خداوند کی کلیسیا کے نگران کی حکومت ہونی چاہیے۔

> "Christianity's vast following can be attributed to the strategic efforts of orthodox Christians. They transformed Christianity from a marginalized sect into the official religion of the Roman Empire. Their mission was to fulfill Bishop Irenaeus' vision of "the catholic church spread across the entire world, reaching even its farthest corners." To achieve this, they employed various means." [40]

> "مسیحیت کی تاریخ میں مذہبی اختیارات کی لامحدود وسعت کو حاصل کرنے کے لئے سیاست کی بساط پر اپنی چالبازیاں جمانے کا عمل مسیحیت کی تاریخ میں قرون اولی سے ہی کار فرما نظر آتا ہے۔ بشپ Irenaeus کا کہنا تھا مسیحی کلیسیا دنیا پر تسلط حاصل کرے گا اور تمام روئے زمین اس کی آماجگاہ ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا۔"

مسیحیوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو اللہ تعالی کے مقابلے میں رب بناڈالا اس لیے وہ احکامات خداوندی کو منسوخ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں قانون فطرت کے خلاف فیصلہ دینا چاہیں تو وہ آزاد ہیں گویا ان کا جائز ٹھہرایا ہوا جائز ہوا اور حرام ٹھہرایا ہوا ناجائز سمجھا جاتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی سورۃ التوبہ میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> "اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ" [41]

> "انہوں نے اپنے درویشوں اور علماء کو خدا بنایا اللہ کے سوا، اور مسیح ابن مریم کو بھی اسی طرح خدا بنایا۔ حالانکہ انہیں ایک اللہ کی عبادت کا حکم ہوا تھا جس کے علاوہ کوئی لائق نہیں عبادت کے۔ وہ ان شرک آمیز اعمال سے پاک ہے جو یہ کرتے ہیں۔"

مسیحیوں کی اسی روش کی جانب حدیث نبوی میں قدرے تفصیل سے بیان ملتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس اس حالت میں آیا کہ میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اے عدی، اس ناپاک چیز کو اتار دو۔ پھر آپ نے سورہ توبہ کی یہ آیت تلاوت کی (اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ) آپ نے وضاحت فرمائی کہ مسیحی اپنے علماء کی عبادت براہ راست نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ اپنے طور پر کسی حلال چیز کو حرام قرار دیتے تو مسیحی بھی اس کو تسلیم کر لیتے۔" [42]

خدائی کی وہ قسم جو تمدنی اور سیاسی معاملات سے تعلق رکھتی ہے یعنی حاکمیت اور زندگی بسر کرنے کے لیے قوانین مقرر کرنے کی مجاز اتھارٹی جسے دنیوی معاملات میں فرماں روائی کے مطلق اختیارات حاصل ہوں اس قسم کی خدائی ہر زمانے میں دنیا کے تمام مشرکین نے اللہ تعالی کی ذات سے سلب کرکے یا مذہبی پیشواؤں، شاہی خاندانوں اور بڑے لیڈروں کو اللہ تعالی کے ساتھ تقسیم کیا ہے۔ اور اسی روش پر عالم مسیحیت گامزن رہی ہے۔[43]

عقائد ساز کونسلیں

پوری دنیا کے مذاہب میں عقائد بانی مذہب کی طرف سے دیے گئے ہیں چاہے وہ اب آسمانی ہو یا غیر آسمانی مگر مسیحیت میں ایسا نہیں ہے۔ اس کے عقائد وقتاً فوقتاً بادشاہوں کے زیر اثر پادریوں نے بنائے اور ان کو خدائی حکم کہہ کر لوگوں کو مجبور کیا کہ ان کو مانیں اور اس کیلئے جبر سے بھی کام لیا گیا۔ کونسل سے مراد مجلس تشریعی ہے، جس میں شریعت میں ردوبدل کیا جاتا رہا ہے۔

مسیحیت دنیا کا واحد مذہب ہے جس کے عقائد اس کے بانی نے نہیں بلکہ صدیوں بعد علماء نے بادشاہ وقت کی مرضی کے مطابق تیار کیے اور لوگوں کو ان پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ ان کے پیروکار ان سے بھی بڑھ کر نکلے اور انہوں نے خود ساختہ عقائد کو اپنا ایمان بنالیا۔ ان کے علماء کے اجتماع کو کونسل کہتے ہیں اور کونسل کا فیصلہ ان کے نزدیک اجماع امت ہے۔ لیکن کے اجتماع کی اس لیے کوئی حیثیت نہیں کہ وہ اپنے عقائد بار بار بدلتے رہتے رہے۔ ان کی بہت سی کونسلیں ہوئیں مگر چار زیادہ اہم اور مشہور ہیں جن کا تثلیث سے تعلق ہے۔

پادری خورشید عالم کی رائے میں نقایہ کی کونسل منعقدہ 325ء میں ابن اللہ کا عقیدہ بادشاہ وقت کی پسند کو مد نظر رکھتے ہوئے تیار کیا گیا اور بطور ایمان اختیار کیا گیا۔ قسطنطینیہ کی کونسل منعقدہ 381ء میں روح القدس کو بھی بذریعہ قرار داد تثلیث کا حصہ مانا گیا اور نہ ماننے والے مخالفین پر لعنت کی گئی۔ افسس کی کونسل منعقدہ 431ء میں تثلیث کے ناقابل حل ہونے پر جو شور مچا ہوا تھا، اس کا حل بذریعہ قرار داد خدا مسیح کی دو طبیعتیں مان کر کیا گیا۔ ایک لاہوتی، دوسری بشری یا ناسوتی۔ مخالفین پر لعنت کرکے انہیں مصر جلاوطن کر دیا گیا۔ اور اس سلسلے میں چوتھی خلقیدونیہ کی کونسل منعقدہ 451ء میں مسیحی فرقوں کے اختلافات چوں کہ افسس کی کونسل کے بعد بھی جاری رہے تو اس کونسل کو بلا کر اس میں مسیح کی دو طبیعتیں، ایک اقوم، اور ایک ذات کا عقیدہ بذریعہ قرار داد وضع کیا گیا مخالفین پر لعنت کرکے انہیں فلسطین جلاوطن کیا گیا۔ ان کونسلوں کے علاوہ مسیحیوں کی 16 کونسلیں مختلف اوقات وادوار میں اور بھی ہوئیں۔[44]

ان عالمی کونسلوں کے مختلف فیصلوں پر جو بادشاہ کی خواہشات اور شاہ پسند، بے ضمیر اور لالچی پادریوں کی ملی بھگت سے ہوتے رہے ہیں۔ قرآن مجید میں اہل کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

> "فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ فَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ"[45]
>
> "ان لوگوں کے لیے تباہی اور بربادی ہے جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے احکامات لکھے اور پھر دعویٰ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تاکہ اس کے بدلے میں نفع اٹھا سکیں۔ یہ جو انہوں نے لکھا ہے یہ باعث ہلاکت ہے اور یہ کمائی ان کے لیے وبال جان ہے۔"

رسم ختنہ کا خاتمہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت موسوی پر عمل پیرا تھے اور شریعت موسوی سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور سے ہی ختنہ کی رسم ملت ابراہیمی کا شعار تھی اور شریعت موسوی کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ سلام کا ختنہ بھی ہوا تھا لیکن بعد میں مسیحیت کو غیر اقوام میں

قبول کرنے کی خاطر رسم فتنہ سے جان چھڑوائی گئی۔ مسیحیت کو قبول کرنے والوں میں بہت سے غیر یہودی بھی تھے۔ غیر یہودیوں کی شمولیت پر سوال اٹھا کہ آیا بپتسمہ سے قبل ان کا ختنہ ضروری ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ خاص طور پر ان مسیحیوں کے لیے سنگین تھا جو اہل یہود سے تعلق رکھتے تھے۔ راسخ العقیدہ یہودی غیر مختون افراد کے گھروں میں قدم نہیں رکھتے تھے، تو ان کو بھائی کے طور پر قبول کرنا کیسے ممکن تھا؟ یہودی مذہب تبدیل کرنے والے افراد پہلے ہی سخت آزمائشوں سے گزر رہے تھے، اور اگر وہ غیر مختون افراد کو بھائیوں جیسا درجہ دینے لگتے، تو ان پر مزید دباؤ بڑھ جاتا اور مذہب کی تفریق مزید نمایاں ہو جاتی۔ اس چیلنج کا حل نکالنے کے لیے کلیسیا کے رہنما یروشلم میں اکٹھے ہوئے اور ایک فیصلہ صادر کیا۔ بائبل میں ہے:

"پس میری رائے یہ ہے کہ جو غیر قوموں سے خدا کی جانب آتے ہیں، ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔"[46]

ختنے کے مسئلے کا حل عاموس کے صحیفے کی مدد سے نکالا گیا، جس کا ذکر عہد نامہ جدید میں کتاب اعمال میں بھی موجود ہے:

"میں واپس آکر داؤد کے گرے ہوئے گھر کو دوبارہ بناؤں گا، اس کے کھنڈروں کی مرمت کروں گا اور اسے پھر سے تعمیر کروں گا تاکہ باقی ماندہ انسان اور غیر قومیں بھی جو میرے نام سے کہلاتی ہیں، دل سے خداوند کی طلب کریں۔"[47]

تاہم، یہ اعتراض موجود ہے کہ اس صحیفے میں براہِ راست یہ نہیں لکھا کہ غیر قوموں کو ایمان لانے پر ختنہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ پولوس نے پیش گوئی کی تھی کہ جب تمام رسول فوت ہو جائیں گے تو مسیحی جھوٹے عقائد کی پیروی کرنے لگیں گے اور کسی کو بھی قریب نہ آنے دیں گے۔[48]

پولوس نے بتایا تھا کہ کلیسیا میں اختیار رکھنے والے بعض لوگ بھی گمراہ کن باتیں کریں گے اور شاگردوں کو اپنی جانب کھینچنے کی کوشش کریں گے۔[49]

لیکن مسیحی دنیا جھوٹے عقیدوں کو اپنانے لگی اور ایک مستحکم رسم جو ختنہ کی صورت میں شریعت موسوی کا شعار تھی محض اس لیے ختم کر دی گئی تاکہ مسیحیت کو یہودیوں کے علاوہ غیر اقوام میں قبولیت عامہ حاصل کرنے میں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ابتدائی کتب مقدسہ کی معطلی

مسیحی مذہبی پیشواؤں نے مسیحی لٹریچر کی بہت سی ایسی کتب رد کر دیں جو ان کے عقائد و تعلیمات سے میل نہ کھاتی تھیں۔ رد کی جانے والی کتب ایک عرصے تک مسیحی حلقوں میں متداول رہی ہیں۔

مسیحی دنیا ان کتب کو فوراً جعلی یا بدعتی کہہ کر رد کر دیتی ہے جو مروجہ مسیحیت سے کسی بھی طور ٹکراتی دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ بات نظر انداز ہو جاتی ہے کہ ان کتب کو جعلی یا بدعتی کہنے والے کون لوگ تھے اور انہیں یہ کہنے کا حق کیسے ملا تھا اور کسی نے عطا کیا تھا۔ اور یہ بھی کہ اپنی بات منوانے کے لئے اُن کے پاس کون سے دلائل، ذرائع یا صداقت کے ثبوت تھے؟ اس بات کو تو قطعاً نہیں چھیڑا جاتا کہ ان مفروضہ بدعتیوں کے کیا دینی ماخذ تھے اور کیوں مسترد کیے گئے؟ ان وجوہات کا احاطہ کرنے کی بھی اشد ضرورت ہے جن کو بنیاد بنا کر ان کتب کو مسترد کیا گیا۔

کلیسیائی برادری کی سرداری کے امین اور دین مسیح کے علمبرداروں نے کلیسیائی تعلیمات سے نظریات ٹکرانے پر اہل علم کو تو آگ میں جھونکنا عین مناسب سمجھا تو ان بد قسمتوں کی تصانیف سے بھی عموماً یہی سلوک کیا جانا قرین مصلحت جانا۔ انسانوں کو تو قید و بند میں ڈالا جا سکتا ہے مگر ان کتابوں کا کیا کیا جائے جو ان مذہبی پیشواؤں کے مفادات سے ٹکراتی ہیں۔ حکم ہوا کہ کوئی کتاب ارباب کلیسیا کی مہر تصدیق کے بغیر قطعاً نہ شائع کی جائے اور ایک محکمہ اس کار خیر کے لئے بنایا گیا۔ ڈریپر لکھتا ہے کہ چھاپے کی ایجاد اور کتابوں کی اشاعت سے وہ خطرات پیدا ہو گئے تھے جن کے آگے انکوئیزیشن کے مظالم کی کوئی ہستی نہ تھی۔ 1559ء میں پوپ پال چہارم نے محکمہ ترتیب فہرست کتب محرمہ قائم کیا۔ اس محکمہ

کا فرض یہ ہے کہ کتب و مسودات مقصود الاشاعت کی جانچ پڑتال کر کے یہ فیصلہ کرے کہ کیا عامہ خلائق کو اس کے مطالعہ کی اجازت دی جا سکتی ہے یا نہیں۔[50]

ان کتابوں میں جن میں بے شمار غلطیاں نہ ہوں بلکہ بعض مفید و نتیجہ خیز حقائق پائے جائیں ایسی اصلاح کر دی جاتی جس سے وہ عقائد کلیسیا کے مطابق ہو جائیں۔ اس محکمہ کے اختیارات بہت وسیع ہوتے تھے اس لئے کہ ان کو نہ صرف ان کتابوں کی اشاعت میں دست درازی کا حق حاصل تھا جن میں رومن کیتھولک مذہب کے مخالف عقائد مندرج ہوں بلکہ ان تصانیف کی اشاعت بھی اس کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں جن کا موضوع فرائض و وجوب، اخلاق، انضبات، تادیبات کلیسیا اور صیانت مقاصد خلق اللہ ہو۔ ایک مخصوص گروہ کی ادنی اغراض کو اپنے ہی نقطہ نظر سے پورا اور پیش کرنے کی ہوس نے بہت سے حقائق کو برباد کر کے رکھ دیا۔ اُن کے پیش کردہ مواد سے مسیحی دنیا نے جو اخذ کیا اس نے اسے قعر مذلت میں گرانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ علم دشمنی میں ایسے ایسے ہتھکنڈے استعمال کیے گئے کہ یورپ صدیوں تک قرون مظلمہ کا راہی رہا۔ ڈاکٹر ڈریپر کی رائے میں شروع میں یہ ہوتا تھا کہ جن کتب کا پڑھنا حرام قرار دیا گیا ہے فقط ان کی فہرست شائع کی جاتی جب اس سے کام نہ چلا تو یہ قید لگا دی کہ ہر اس کتاب کا مطالعہ ممنوع ہے جس کے پڑھنے کی صریح اجازت نہ دی گئی ہو۔ ایسے احکامات کا اس کے سوا کیا مقصد ہو سکتا تھا کہ بجز ان معلومات کے جن کو اغراض کلیسیا سے تطابق و توافق ہو اور کسی قسم کا علم لوگوں میں پھیلنے نہ پائے۔ اور ان تک صرف وہی معلومات پہنچنے دی جائیں جن سے کلیسیا کا مفاد وابستہ ہے۔ دنیائے مسیحیت کے دو بڑے گروہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ اگرچہ ایک دوسرے کے سخت حریف رہے ہیں لیکن یہ دونوں گروہ اس بات پر باہم متفق ہیں کہ کوئی ایسی کتاب ہرگز شائع نہیں ہونی چاہیے جس سے کتاب مقدس کی تعلیمات پر سوال اٹھایا جا سکے۔[51]

یسوع کے خونِ ناحق کی معافی

1965ء میں ویٹی کن سٹی مین منعقد ہونے والی دوسری کلیسیائی کونسل میں دنیا کا ایک حیرت انگیز واقع پیش آیا۔ کیتھولک چرچ نے انجیلی حقائق کو پس پشت ڈالتے ہوئے سامراجی قوتوں کی مدد سے نئی نئی وجود میں آنے والی مملکت اسرائیل کو سیاسی طور پر خوش کرنے کے لیے یہ اعلامیہ جاری کر دیا کہ یسوع کے خونِ ناحق کی زمہ داری یہودیوں پر نہیں بلکہ رومی گورنر پیلاطوس پر عائد ہوتی ہے۔ اپنی ہی مقدس ترین مذہبی کتب کو بلا دریغ جھٹلانے کی مذہبی تاریخ میں یکہ و تنہا مثال ہے جو مذہبی رواداری کی آڑ میں قائم کی گئی ہے۔ اس کی نظیر گذشتہ تاریخ انسانی میں عنقا ہے۔ دوسرے ویٹی کن کونسل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مزعومہ تصلیب اور ان کے خون سے اس دور کے تمام یہودیوں کو بری الذمہ قرار دیا گیا۔[52]

معافی نامے

پوپ صاحبان اور ان کے نامزد کردہ مذہبی نمائندے 'معافی ناموں' کے ذریعے دولت کمانے کا ایک اہم ذریعہ رکھتے تھے، جو ان کے خزانوں کو بھرنے میں مددگار ثابت ہوتا تھا۔ یہ مذہبی پیشوا عطیات اور نذرانے اکٹھے کرتے اور بدلے میں نہ صرف زندہ افراد بلکہ مردوں کی مغفرت اور بخشش کے حکم نامے جاری کرتے تھے، جن سے مردوں کی روحیں جہنم سے نکل کر جنت پہنچتی۔

> “In Roman Catholic doctrine, an indulgence is defined as "a way to lessen the punishment for sins, potentially reducing the penance required after sin forgiveness or shortening the time spent in Purgatory after death.” [53]

"رومن کیتھولک کلیسیا کی تعلیمات کے مطابق ایک معافی نامہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔ معافی نامہ گناہ کی سزا کم کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ سزا کی اس کمی کا دو طرح کے گناہوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ اعتراف گناہ کے بعد ریاضت اور تپسیا کی سزا اور اگلے جہان میں ملنے والی سزا۔ معافی نامہ گناہ گار کو ان دونوں سزاؤں سے نجات دلاتا ہے۔"

پادری خورشید عالم کے مطابق، مغفرت ناموں کی فروخت ایک عام روش بن چکی تھی جس کے ذریعے لوگ بشپ کو پیسے دے کر گناہوں کی معافی حاصل کر لیتے تھے اور سزا سے بچ جاتے تھے۔ پوپ اربن دوم نے پہلی صلیبی مہم کے دوران مغفرت نامے تقسیم کیے، جس سے عبادات اور ریاضت کی اہمیت کم ہو گئی۔ اس کے بعد عوام نے تیزی سے مغفرت نامے خریدنے شروع کر دیے تاکہ ان کے عزیز، جو اعراف میں محبوس تھے، رہائی پا سکیں۔ اس سے پوپی خزانے بھر گئے، اور بشپوں نے پیسہ کمانے کا نیا طریقہ اپنا لیا، جس کی وجہ سے کلیسیا کی اخلاقیات پر منفی اثرات مرتب ہوئے۔[54]

معافی نامے اس حد تک فروخت ہونے لگے کہ تاجروں نے ان کی فروخت کے لیے باقاعدہ ایجنسیاں قائم کر لیں۔ ہر ایجنسی کا نمائندہ لوگوں کو معافی نامے خریدنے کی ترغیب دیتا اور مختلف گناہوں کے لیے مخصوص نرخ مقرر تھے۔ لوگ گناہ چاہے جتنا بھی بڑا ہو، طے شدہ رقم ادا کر کے فوراً بخشش حاصل کر سکتے تھے۔ معافی نامے پوپ اور اس کے متعلقین کے پاس خزانے کی معموری کا ایک زبردست ذریعہ تھے۔ ان مغفرت ناموں کی فروخت سے پوپ کا خزانہ دنیائے سیاست کے ایک عالم کو شرماتا تھا جب پاپائیت نے دینوی حکمرانوں جیسا اثر و نفوذ پیدا کرنا شروع کیا تو لا محالہ اس کو ایک ایسے خزانے کی ضرورت تھی جس کی مدد سے وہ اپنے اہداف و مقاصد حاصل کر سکیں اور یہ سب انہیں معافی ناموں کی فروخت سے با آسانی حاصل ہو رہا تھا۔ ان مغفرت ناموں کے خلاف جرمن مصلح لوتھر نے آواز بلند کی پاپا کے نمائندے کا لوتھر کو تسلیم و مطمئن کروانے کا انداز بہت ہی نرالا تھا کہ، کمیشن نے لوتھر سے کہا تجھے اس پر ایمان لانا چاہیے کہ یسوع ناصری کے خون کا ایک قطرہ تمام بنی نوع انسان کے کفارہ ذنوب کے لئے کافی ہے باقی جس قدر خون باغ اور صلیب پر گرا وہ پاپائے روم کو ترکے میں ملا تاکہ اس نجات کی روشنائی سے تذکرۃ الغفران لکھے جا سکیں۔[55]

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے خون کی وراثت کے دعوے داروں نے حقیقت میں اس کی تجارت کرتے ہوئے معافی ناموں کے ذریعے زندہ اور مردہ دونوں کے لیے بخشش کے سرٹیفیکیٹ جاری کرنے کا عمل شروع کیا۔ ان کے مضحکہ خیز دعوے کے مطابق، جیسے ہی کسی پادری کے صندوق میں سکے کی آواز سنائی دیتی، نجات کے لیے ادا کی گئی رقم کی بدولت مردے کی روح فوراً جنت میں پہنچ جاتی۔ مغفرت ناموں کی فروخت کا محرک ڈریپر کی رائے میں یہ تھا کہ پادریوں کو اپنی اوباشیوں اور عیاشیوں کے لئے جب اور کسی طریقے سے روپیہ نہ ملتا تھا تو مسیح کے گلے کی کالی بھیڑوں کے ہاتھ معافی نامے بیچ کر رقم حاصل کرتے تھے۔ جن پادریوں اور راہبوں کو اس سودمند تجارت سے ہاتھ رنگنے کی ممانعت تھی وہ تبرکات کے جلوس نکال کر اپنی جیبیں بھرتے تھے۔ پاپائے روم کو جب رقم کی ضرورت پڑی تو انہوں نے دیکھا کہ معافی نامے کے کاروبار میں کافی فائدہ ہے تو آپ نے بشپوں کو معافی نامے فروخت کرنے سے منع کر کے اس کا حق استعمال اپنی ذات کے لیے مخصوص کر دیا اور اپنے کارندے معافی ناموں کی فروخت کے لیے مقرر کر دیئے۔[56]

مذہب سے بے دخلی

مسند پاپائیت پر متمکن دین مسیح کے علمبرداروں کا ایک حربہ جو وہ شروع سے استعمال کرتے چلے آئے تھے مذہب سے بے دخلی تھا جس کی بناء پر وہ ہر اس فرد کو جو ان کے قابو نہ آتا اور جس پر ان کا بس نہ چلتا اسے دین مسیح سے خارج کر کے سکھ کا سانس لیتے۔ خادمان دین کی حکومت اور اقتدار کا سب سے قدیم حربہ یہ تھا کہ وہ ہر اس مجرم کو جو توبہ کرنے سے انکار کرتا اس کو کلیسیا کی جماعت سے نکال دیتے تھے۔ تاریخ

کلیسیا من حیث الابتداء کے مؤلف کی رائے میں مذہب سے نکالنے کا آغاز پولوس کی طرف سے ہوا تھا جب پولوس نے ایک حرام کار کی بہ نسبت کورنتیہ کے کلیسا کو ہدایت کی تھی کہ اس خراب آدمی کو اپنے درمیان سے خارج کردو اور جو شخص دو مرتبہ نصیحت کرنے پر بھی بدعتی رہے نکال دینا چاہیے۔ یہ اختیار ابتدائی مسیحیوں کے نہایت کام کا تھا کیوں کہ اس کے وسیلہ سے اکثر ان کو بت پرستوں کے سامنے اپنے اخلاق کی پاکیزگی ظاہر کرنے کے لیے موقع مل جاتا تھا۔[57]

مگر جب یہ ہتھیار ضعیف العقل اور تند خو آدمیوں کے ہاتھ پڑا اور مذہبی پیشواؤں نے اسے اپنے ذاتی مفادات کے حصول اور مالی منفعت کی طلب میں استعمال کرنا شروع کیا تو اس کے نہایت بھیانک اثرات سامنے آئے۔ اس حربہ سے اپنے نام نہاد خود ساختہ عقائد کو سب پر ٹھونسا جاتا تھا اور کیا عام کیا خاص سب کو مجبور کیا جاتا کہ ان عقائد کو تسلیم کریں ان عقائد کی آڑ میں پاپائی احکامات کے نفوذ کو موثر بنایا جاتا اور زیادہ حربہ کا شکار اہل علم طبقہ اور حکمران رہے۔ اول الذکر تو اپنی تحقیقات اور نظریات سے جو نتائج اخذ کرتا ہوا اکثر ان پاپائی مفادات کے خلاف ہوتے اور حکمران جب پاپائی احکامات کی تعمیل میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرتا جھٹ سے اس کو دین مسیح سے نکال پھینکا جاتا اور اس کا مطلب اس توہم زدہ اور پسماندہ و ناخواندہ معاشرے میں اس طرح سمجھا جاتا کہ سب لوگ اس سے معاشرتی ناطہ توڑنے پر مجبور محض ہو جاتے تھے۔ اس اخراج کی وجوہات ڈیپر یہ بتاتے ہیں کہ، 1327ء میں جب حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ نصف مسیحی دنیا حلقہ کلیسیا سے خارج ہو چکی ہے بشپ کا خراج اس لئے عمل میں آیا کہ وہ پاپا کے نائبوں کے مطالبات سے عہدہ برآں نہ ہو سکے اور عام اشخاص اس لئے خارج کیے گئے کہ وہ مجبور ہو کر تذکرات الغفران یا اجازت نامہ نقض قانون خریدیں اور پاپائی کارندوں کو منہ مانگی قیمت ادا کریں۔[58]

برونو جیسے سائنسدان کو جسے زندہ جلا دیا گیا اسے اپنی سزا بھگتنے سے پہلے حلقہ کلیسیا سے خارج ہونا پڑا مگر وہ مشاہدات و تجربات کی بناء پر اپنے قائم کردہ نظریات سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہ ہوا اور انجیل کی غلط تعلیم کو علی الاعلان ٹھکراتا رہا۔ کیتھولک تو مسیحیت سے متضاد نظریات کی بناء پر حاملین نظریات کو زندہ جلا دیا کرتے تھے مگر اس کے بالمقابل پروٹسٹنٹوں کے پاس کیا ہتھیار تھا۔ ڈریپر کی رائے میں پروٹسٹنٹ فریق کا اثر مختلف اقوام میں پھیلا ہوا تھا اس کی قوت مختلف المراکز تھی لہذا وہ کوئی ایسی نتیجہ خیز کاروائی نہ کر سکتا تھا اس کا طرز عمل یہ تھا کہ مجرم کو راندہ درگاہ قرار دے کر اسے اپنی برادری سے خارج کر دے اور یہ طریقہ شاید دوسرے طریقے کی بہ نسبت کچھ کم موثر نہ تھا۔[59]

پادری خورشید عالم کے مطابق 1208ء میں شاہ انگلستان جان نے پاپائی حکم نہ مانا اور اس کے مقرر کردہ آرچ بشپ کو تسلیم نہ کیا تو پوپ نے تمام انگلستان پر کلیسیا سے اخراج کا فتوی نافذ کر دیا۔[60] کلیسیا سے اخراج کا مطلب ہوتا کہ اب اس بندے کو شہری حقوق حاصل ہیں نہ یہ کسی قسم کی ملکیت رکھ سکتا ہے اس کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد بحق کلیسیا ضبط کر لی جاتی۔ جب بدعتی کلیسیا سے خارج کیے جاتے تو حکومت ان سے حقوق شہریت چھین لیتی انہیں ملک بدری املاک کی ضبطی اور بدنی سزا بھی دی جاتی۔[61]

پوپ حضرات اپنے مادی مفادات کی خاطر مسیحی بھیڑوں کو اپنے گلے سے نکالنے میں مصروف رہے اور یہ بدقسمت مسیحی بھیڑیں الحاد لادینیت اور تشکیک کی تاریک راہوں پر چل کر یورپ اور دنیائے مسیحیت کے لیے مزید بدقسمتی کا سامان کرتی رہیں۔

حواشی و حوالہ جات

[1]**The Encyclopedia Britannica**, (Chicago: Encyclopædia Britannica, Inc., 1768) 7/693
[2] James Hastings, **Encyclopedia of Religion and Ethics**, (New York: Bloomsbury T&T Clark, 1910) 3/518
[3]خیر اللہ، ایس ایف، **قاموس الکتاب**، (لاہور: مسیحی کتب خانہ، 1993ء) ص234
[4] **The Encyclopedia Britannica**, 22/479
[5]یوحنا1:1
[6]کیرانوی، رحمت اللہ، مولانا، **اظہار الحق**، مترجم: مولانا اکبر علی، (کراچی: مکتبہ دار العلم، س ن)، 1/350
[7]ان پہلی پانچ کتابوں کے مجموعہ کو توریت کہا جاتا ہے۔
[8] ان چاروں اناجیل کو اناجیل اربعہ کہتے ہیں ۔ مسیحی عقیدے کے مطابق، ابتدائی تین اناجیل کو "اناجیل متوافقہ" کہا جاتا ہے۔ انجیل اصل میں یونانی لفظ "Euangelion" کی معرب شکل ہے، جس کا لغوی معنی "خوش خبری" ہے۔ یہ لفظ حبشہ (موجودہ ایتھوپیا) کے راستے عربی زبان میں آیا، کیونکہ یمن میں حبشہ کی ایک مسیحی جماعت آباد تھی۔ نئے عہد نامے میں اس لفظ کا مطلب خوشخبری ہی ہوتا ہے اور کسی آیت میں اس کا مطلب "کتاب" یا "صحیفہ" نہیں ہے۔ 150ء کے بعد ہی اس لفظ کو کتاب یا عہد نامے کے مفہوم میں استعمال کیا جانے لگا۔ (خیر اللہ، **قاموس الکتاب**، ص93)
[9]کیرانوی، رحمت اللہ، مولانا، **اظہار الحق**، 1/306-319
[10]**کتاب مقدس**، مطالعاتی اشاعت، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور، 2015ء، ص7
[11]عبرانیوں 1:1-2
[12]افسیوں 1:22-23
[13]اعمال 3:22؛ استثناء 18:15
[14]یوحنا 8:16-42
[15]ایضاً 12:44-49، 13:1-3
[16]اعمال 2:36، 3:26، 10:36
[17]افسیوں 1:22-23
[18]1۔ تیمتھیس 3:5-6
[19]اعمال 1:8
[20]2۔ کرنتھیوں 10:8-13
[21]یوحنا 14:26، 7:13-16
[22]یوحنا 1:42
[23]متی 16:18
[24]ایضاً 18:17-19
[25]لوقا 10:16
[26]یوحنا 20:21
[27]ا۔ کرنتھیوں 13:17
[28]2۔ کرنتھیوں 5:20
[29]عبرانیوں 17:13
[30]یوحنا 4:6
[31]ایضاً 20:23
[32]مصنف: نامعلوم، **تواریخ کلیسیا من حیث الابتداء**، 1870ء، ص145
[33]ایضاً، ص172
[34]پیٹرسن سمائتھ، ڈاکٹر، **بائبل کا الہام**، (لاہور: پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی، 1905ء) ص129
[35]اسلم ضائی، ڈاکٹر، **تفہیم عہد عتیق**، (لاہور: مسیحی اشاعت خانہ، 2007ء) ص29
[36] Edward Gibbon, **The Dicline and Fall of the Roman Empire**, (New York: Penguin Classics, 2001), 1/361
[37] Ibid, 1/362
[38] Ranke, Leopold Von, **History of the Popes Their Church and State**, (US: Cosimo Classics, 2015) P.8
[39]خورشید عالم، پادری، **تواریخ کلیسیائے رومۃ الکبریٰ**، (لاہور: پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی، 1961ء) ص14

[40] Helen Ellerbe, **The Dark Side of Christian History**, (LA: Morningstar & Lark, 1995) P.14

[41] التوبہ:31

[42] ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، **الجامع**، (الریاض: دارالسلام، 2008ء)، کتاب تفسیر، باب وَمِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ، حدیث نمبر:3095

[43] رضوان الٰہی، **مسیحیت میں مذہبی پیشوائیت کی روایت**، (مقالہ برائے ایم فل، نگران مقالہ: ڈاکٹر ساجد اسد اللہ) گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، سمن آباد، فیصل آباد، س ن، ص69-71

[44] خورشید عالم، پادری، **تواریخ کلیسیائے رومۃ الکبریٰ**، ص67

[45] البقرۃ:79

[46] اعمال1:15-9

[47] ایضاً:16-17

[48] 2۔ تھسلنیکیوں2:3، 7

[49] اعمال20:30

[50] Draper, John William, **History Of The Conflict Between Religion And Science**, (New York: CreateSpace Independent Publishing Platform, 2014) P.216

[51] Ibid, P.217

[52] **Second Vatican Council**, 11 October 1962 to 8 December 1965, Retrived at 28 May, 2024, 1:50 AM https://www.catholic-hierarchy.org/event/ecv2.html

[53] Edward N. Peters, **A Modern Guide to Indulgences**, (London: Hillenbrand Books, 2008) P.13

[54] خورشید عالم، پادری، **تواریخ کلیسیائے رومۃ الکبریٰ**، ص141-142

[55] Draper, John William, **History Of The Conflict Between Religion And Science**, P.211

[56] Ibid

[57] مصنف: نامعلوم، **تواریخ کلیسیا من حیث الابتداء**، ص120

[58] Draper, John William, **History Of The Conflict Between Religion And Science**, P.276

[59] Ibid, P.217

[60] خورشید عالم، پادری، **تواریخ کلیسیائے رومۃ الکبریٰ**، ص142

[61] ایضاً